باب۴

# ہم کیا کریں

## تباہی کا حکم

ہم کیا کریں! یہ قوم کیا کرے! وہ سوالات ہیں جو اس وقت جمعیت کی فوری توجّہ کا مرکز ہیں۔ بات کچھ ایسی ہے کہ بغداد جیسی تباہی کے احکامات میں ہیں۔اور دستِ عطار بھی جو خود مرکزِ حق، ابو الوقت ہے، اندر باہر کی ایسی توحید 'انا اُمّتی' میں ہے کہ تباہی کا حکم دینے والا بھی وہی، پیالہ الٹ کر بغداد کو دامنِ امن میں چھپانے والا بھی وہی، پھر پیالہ الٹانے سے ہاتھ رکوا کر بغداد کی تباہی کے ساتھ ساتھ اپنی جان بھی نذر کرنے والا وہی۔ یہ کیفیتِ توحید، ظاہر باطن کی وہ میزان ہے جس میں فنا بقا، موت و حیات، زندگی و بربادی ایک ہی پیمانے میں ہیں ظاہر اُمّت کا اثر اپنے باطن پر ہے۔اُمّت تباہی کی طرف رواں دواں ہے تو یہ بھی دستِ قدرت کا معاون بن کر اور تباہی کو تیز سے تیز تر کھینچ کر لے آنے والا بنا ہوا ہے، کہ قدرت کا یہی اسلوب ہے۔اور ساتھ ہی اس تباہی کے تصوّر سے دل آزردہ بھی ہے کہ رحمت کا یہی تقاضا ہے۔

سبز درختوں کا جُھنڈ بارانِ رحمت لاتا ہے،تو خشک لکڑیاں آگ کو دعوت دیتی ہیں۔فطرت کا تقاضا تو ایسی صورت میں یہی ہوتا ہے کہ آگ لگے اور لگے تو بھڑک کر لگے۔پھر جب آگ لگے تو کیسے سبز درخت، سبز جھاڑیاں اور بیل بوٹے، سب ہی ساتھ فنا۔توحید و یگانگت کا تقاضہ تو یہی ہے کہ سب ایک ہی رنگ میں ہوں۔

حضرت صابر مسجد جاتے ہیں تو پھٹے کپڑے ہونے کی وجہ سے اگلی صفوں سے ہٹا ہٹا کر پیچھے کر دئے جاتے ہیں۔سجدہ کرتے ہیں تو مستی توحید میں مسجد کو کہتے ہیں تو بھی سجدہ کر۔سفید پوش ہلاک ہو جاتے ہیں۔اس فرمان میں نہ بدلہ ہے، نہ غصہ نہ کسی سے شکایت۔ایک مستی کا عالم ہے۔

ایک بزرگ کے خلیفہ بادشاہ کے پیر تھے۔اپنے مرشد کے لئے کہا کرتے کہ وہ تو مرغی کی طرح ہیں جیسا انڈہ نیچے رکھوگے ویسا ہی بچہ نکلے گا۔گویا سبب اور نتیجہ کی حدود میں گرفتار تھے۔فضل و برکت اور امراللہ کو نظر انداز کر رہے تھے۔کسی نے مرشد کو یہ بات سنائی، فرمایا ڈوب کر مرے گا۔قضائے کار یہ مرید خلیفہ بادشاہ کے بستر پر آرام فرما ہوئے۔ملکہ بھی نادانستہ طور پر اپنی جگہ جاسوئیں۔بادشاہ آئے تو انہیں سوتا دیکھ کر واپس چلے گئے۔صبح کو خُدّام کو حکم دیا کہ ان بزرگ کو دریا کی سیر کرانے لے

جاؤ اور ڈبو دو۔ خُدّام نے ایسا ہی کیا۔ ملکہ کو خبر لگی تو بادشاہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ اب بادشاہ سخت نادم ہوئے مگر اپنے پیر کی جان لے چکے تھے۔ بہت سے جواہرات اور ایک تلوار لے اپنے مرشد کے پاس پہنچے کہ قصاص لینا ہو تو حاضر ہے اور اگر خون کا بدلہ خون لینا ہے تو یہ تلوار حاضر ہے۔ یہ بزرگ جلال میں آئے چہیتے کا اتنا سا قصاص اور ایک گردن۔ فرمایا تو تباہ، تیری سلطنت تباہ۔ ایسا ہی ہوا۔ آخر شہسوار توحید تھے۔ خود ذاتِ حق بنے بیٹھے تھے۔ اور چہیتے خلیفہ اُمّت کے مصداق تھے۔ نہ یہ نفس کی سطح کی بات تھی نہ غصہ کی۔ ایک توحید کی کیفیت۔ ایک مرا تو سب مریں۔ یار کا جنازہ اکیلا کیا نکلے۔ مگر خود ہی ڈبونے والے اور خود ہی بلا لینے والے اور خود بھی اس خوں بہا میں شامل۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا۔

## مقامِ توحید:

فقیر اُنا متی کچھ ایسی ہی توحید کی مستی میں ہوتا ہے اُمّت تباہی کی طرف رجوع ہے تو یہ بھی دستِ قدرت بن کر اس تباہی میں مُمدّ معاون ہوتا ہے۔ کل کے آتے آج ہی ہو جائے۔ بزن بزن۔ اندر باہر ہر طرف بزن۔ اور ساتھ ہی کفِ افسوس بھی ملتا جاتا ہے۔ تو ایسی حالت میں نہ میں کچھ کر سکتا ہوں نہ تم، نہ جمعیت نہ اُمّت، نہ بزرگ جو مقام توحید میں ہوں، نہ وہ جو آزاد ہو، نہ وہ جو اپنے جذب میں مست دوام، نہ وہ سالک جو ہر حال میں راضی بہ رضا اور اف تک کرنے کی تاب نہیں رکھتے، نہ وہ قلندر جو بے باک ہو کر اپنی مرضی پر چلانا چاہیں۔ یہ کام ایک ہی کر سکتا ہے اور ہے بھی یہ یکتائی کی بات۔ یعنی وہ جسے کہیں کہ 'ہے' وہ کہنا بھی بے ادبی ہے۔ آخر کس کی طرز اشارہ دوسرا ہے کون یہ دوئی یہ شرک یہ نظر کی پسپائی کہلائے جانے کا مصداق ابو الوقت ہے، نورِ محمدیؐ کا حامل۔ زمان مکان اس سے ہیں، اسی میں ہیں۔ رسول اللہؐ کو مرکز توحید نہیں بنایا بلکہ مرکزِ عشق، مرکزِ حب، مرکز رحمت۔ رَحْمَتِی وَسِعَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سب تخلیق پر رحمت کا سایہ۔ اسی طرح ساحب تاج و معراج و براق و علم، دافع بلا و وبا و قحط و مرض و الم۔ اس رحمت للعالمینی کو جذب کرنے والا، نشر کرنے والا یہی ابو الوقت ہے۔ اور انا اُمّتی بھی۔ ایسا ابو الوقت صدیوں میں پیدا ہوتا ہے یا سنوارا جاتا ہے۔ جھلک سب کو ملی ہوتی ہے مگر کچھ تو ادب کا پردہ ڈال کر رہ جاتے ہیں اور کچھ توحید کی مستی میں گم۔ پھر بھی ذات کی مستی کیا، دشت ہو میں گم گشتگی کیا۔ رحمۃ لِّلعالمینی کا انداز تو کچھ اور ہی ہے۔ ادھر اللہ سے واصل، ادھر مخلوق میں شامل۔ رحمت کی معراج کا تقاضا، نزول انوار ہے، کرم ہے، شفقت ہے، رحمانیت ہے، رحیمیّت ہے۔ مانگنے والے کو بھی دینا اور بے مانگے زیادہ عطا کرنا ہے۔ بلا تخصیص دینا ہے۔ جیسے ایک ہوا سی رحمت کی جو پژمردہ

دلوں کو پھر سے تازگی بخشے۔ابو الوقت کا دائرہ عمل کچھ ایسا ہے کہ تمام چھوٹے چھوٹے آئینے اسی ایک بڑے آئینے کے رخ ہوں تو یہ رحمت کے انوار کو مرکوز کر کے مصروف عمل ہو جاتا ہے۔اور چھوٹے چھوٹے آئینے اگر بے رخ ہوں تو رحمت کے نشر میں اتنی ہی کمی ہوتی ہے۔اس لئے فقرا میں توحید فکر کی ضرورت ہے جیسے نباتات ابر رحمت کے آنے کا ذریعہ، اسی طرح ان چھوٹے چھوٹے ننھے ننھے آئینوں کی عاجزی رحمت کو سموتی ہے۔ عاجزی وہ صفت ہے جو عبد کے نصیب میں ہے۔ ذات حق کے پاس عاجزی نہیں۔تو یہی زبردست کشش کی صفت، مثبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ رحمت کو سموتی ہے۔ مجھ میں، تم میں اس جماعت، اس قوم میں عاجزی کیسے آئے۔ عاجز ایک ٹوٹا ہوا دل ہی ہوتا ہے۔ ایک زخم خوردہ دل ایک بیمار آنکھ، ایک تھک تھک کر چور ہو جانے والا جسم، ایک تباہ و خستہ حال انسان ۔مبارک ہے وہ دل جو اُمّت کے غم میں خون کے آنسو رو رہا ہے۔مگر وائے اپنے انجام سے بے خبر ہونے والی قوم کہ وہ یا تو تنکوں کا سہارا ڈھونڈتی ہے یا ایسی وحشی اور خودغرض ہو جاتی ہے کہ جیسے کئی دن کا بھوکا، ساتھی کو بھی چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے۔ چاروں طرف افلاس دیکھنے والا لالچی ہوجاتا ہے۔ زرداری کی حرص میں لگ جاتا ہے۔ چاروں طرف بھوک اور غلہ کی کمی دیکھنے والا ذخیرہ سمیٹنے لگتا ہے۔الغرض چاروں طرف ہر قسم کی بیماریاں دیکھنے والا ہر قسم کی دوائیں جمع کرنے لگتا ہے۔اسی طرح سے ہر طرف سے پٹ پٹ کر انسان مختلف قسم کے غاروں میں چھپ چھپ کر پناہ لینے لگتا ہے۔ ربوبیّت سے اس کا تعلق منقطع ہو کر توکل ختم ہو جاتا ہے اور عارضی اور جھوٹے سہارے اس کے خدا بن جاتے ہیں۔اس طرح بہ ظاہر، حریص دولت وعظمت ،حریصِ ہوا ہوس، حریصِ طاقت وسطوت، بہ باطن ایک مفلس و نادار انسان ہو جاتا ہے۔ خوداعتمادی اور خدا اعتمادی دونوں کھو بیٹھتا ہے۔ اپنی ناکامیوں کی طرح طرح سے پردہ پوشی کرتا جاتا ہے۔ ربوبیت، برکت، رحمت سے کبھی کا دور ہو کر ہر عمل کو سبب اور نتیجہ کے آئینے میں دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔مسبّبُ الاسباب سے نظر ہٹ چکی ہوتی ہے۔نظر کو سیری عطا ہونے کے لئے، احسان وانعام واکرام کی بارش کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بچہ ماں باپ سے پٹ پٹ کر محبت بھی کھو بیٹھتا ہے اور خوداعتمادی بھی۔اس کا وہ بھروسہ جو ماں باپ پر اعتماد سے نصیب تھا ختم ہو چکا ہے۔ یہ بھروسہ اسے ربوبیت پر اعتماد کی وجہ سے حاصل تھا، جس کا ذریعہ ماں باپ بنے تھے۔وہی خدا اعتمادی کا ظلّ تھا۔اس میں مجبور وکم عقل بچے کا کہاں تک قصور۔

## نصرتِ حق:

آج بھی فرد اور قوم میں خوداعتمادی کی کمی ہے۔خوداعتمادی شفقت و رحمت کے وسیلوں سے نصیب ہوتی ہے۔اس میں

بچے کی اہلیت کو دخل ہے، نہ اس کی یک رخی اور بے رخی کو نہ اس کے جہل وظلمت کو، نہ حرص وہوا کو، نہ اس کے توڑنے پھوڑنے کے جذبے کو، نہ ہر چیز کو اپنانے اور خودغرضی کو۔ بچہ تو فطرت کی طرح معصوم ہے۔ انسان بھی یا تو معصوم ہے یا مجبور__ محض ایک تھوڑا سہارا، ایک انعام، ایک کامیابی، ایک فتح اس کے حوصلے بلند کر دیتی ہے۔ اس کے آگے نئے عزائم، نئے نصب العین کی راہ کشادہ کر دیتی ہے۔ ۶۵ء میں نصرت حق شامل حال تھی۔ قوم کی روح میں بیداری تھی۔ ۷۱ء کی خواری میں اپنا وقار، اپنا اعتماد بھی کھو بیٹھی، اور حق پر اعتماد بھی۔ اب مادّی طریقوں سے اپنی راہِ خوداعتمادی کی تلاش میں اندھے کی طرح اندھیرے میں راہ ڈھونڈ رہی ہے۔ سبب اور نتیجہ کی حدود میں گرفتار ہے۔ ایسے میں آنے والے طوفان کو کیسے روکا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ طوفان اُٹھا کہاں سے؟ یہ بزن بزن جہاں سے نکلا، یہ آگ کا شعلہ جہاں سے بھڑکا اس کے پس پشت بھی تو رحمت ہے، جو تازیانے پر تازیانہ لگا کر اپنی طرف رجوع کرا رہی ہے۔ اسی جگہ تو فضل و برکت کے سوتے ہیں۔ اسی جگہ تو ابر رحمت منڈلا رہے ہیں اور برسنے کے لئے عرصہ سے بے تاب ہیں تاکہ اس آگ کو ٹھنڈا کر دیں۔ یہ ربوبیت اور رحمت ہی کی تو بے چینی تھی جو شعلہ آگ کو ٹھنڈا کر دیں۔ یہ ربوبیت اور رحمت ہی کی تو بے چینی تھی جو شعلہ آگ بن کر بھڑک اٹھی تھی۔ مگر ان سوکھے جنگلوں میں بہت سے سبز پودے، بیل بوٹے ہیں جو ابر رحمت کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ ان میں عاجز پرندے اور طوطیان خوش الحان بھی ہیں جو پیاسے ہیں۔ جھاڑ جھنکار کا جلانا ہی کیا۔ اسی خشک لکڑی سے تعمیر کا کام کیوں نہ لیا جائے، یا اس خس و خاشاک کو بھی تر اور سیراب کیوں نہ کر دیا جائے کہ آگ کا بھی تقاضہ جائے۔ دوزخ کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے حق اپنا ایک پیر اس کے شکم میں ڈال دیں گے۔ ربوبیت اور ماں کے پیر کے نیچے جنت ہے۔ جنت کو دوزخ کی آگ کی لپیٹ نہیں لگ سکتی۔ ربوبیت دہکتی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ انسانوں کے جسم اور پہاڑوں کے ایندھن سے اس کی شکم سیری کب ہوتی ہے۔ ھَلْ مِنْ مَزِیْد ھَلْ مَزِیْد ہی پکارتی ہے۔ القصہ آگ کو ٹھنڈا کرنا ہی اس کا انجام ہے۔ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا ''عَلٰی اِبْرَاھِیْم ایک حکم تھا اور وہ بھی بے طلب ابراہیم۔ نہ اس کے لئے دعا نہ نجات حاصل کرنے کی پریشانی وفکر۔ اسی طرح ایک طوفان جو اٹھا ہے اس کا رخ پھیرنے کے لئے ایک حکم ربوبیت، ایک فرماں رحمت کی ضرورت ہے۔ کچھ نہیں، کوئی دیوار نہیں، بس ہاتھ سے اشارے سے کہہ دیتے ہیں تو طوفان اپنا رخ بدل لیتا ہے۔ رخ بدلنا یہ نہیں کہ طوفان کی جگہ بھوک، قحط، افلاس، خانہ جنگی، بیماری ،وبا۔ رخ بدلنے میں محض دوسری صورت اختیار کرا دینا کیا معنی۔ یہ تو رحمت کے تقاضوں کے سراسر خلاف ہے کہ یوں بہانے تلاش کرے۔ رخ پھیرنے میں یہی رمز ہے کہ سَلَامٌ ''عَلٰی اِبْرَاھِیْم رخ پھیرنے میں یہ بھی تو ہے کہ کمان سے نکلا تیر واپس لاتے ہیں۔ رخ پھیرنے میں یہ بھی ہوتا ہے کہ یہاں نہیں وہاں اس ملک میں نہیں اُس ملک میں۔ یعنی جمال کے مقام سے اوپر

اٹھا لیا اور جلال کے مقام سے زیرِ زمین کر دیا۔

## فروغِ اسلام کی راہ:

اب سوال یہ ہے کہ اس قوم کو جھنجھوڑنے کی بجائے کیا یوں ہی تاریکی اور غفلت میں اسے چھوڑ دیا جائے۔ اگر ایسا ہے تو اس قوم کو اسلام کی وہ راہ فروغ کیسے ملے جو عرصہ سے اس کے مقدر میں ہے۔ فروغِ اسلام، مسلمانوں کے فروغ میں مضمر ہے۔ جوانی کا فروغ بچے کے فروغ میں مضمر ہے۔ ایک سہارا، ایک ربوبیت و رحمت کی تابانی اسے خود اعتمادی نصیب کرے گی۔ اسے نہ اتنا مارا جائے کہ ٹوٹ جائے نہ اتنا دیا جائے کہ برباد ہو جائے۔ یہی بچہ تو لڑتے لڑتے مجاہد بن جائے گا۔ تھوڑا تھوڑا کھا کر شکم سیر ہو جائے گا۔ چشتیہ رنگ بھی یہی ہے کہ نیت بھرا دی جاتی ہے۔ تب ہی تو ادھر سے احسانوں کی بارش دیکھ دیکھ کر احسان مند بن جاتا ہے۔ یہ قوم بھی اپنے حالات میں دستِ کرم شامل دیکھ کر خود دستِ کرم بن جائے گی۔ اپنے ساتھ امر باللہ دیکھ کر خود آمر باللہ ہو جائے گی۔

یہ سائنس اور مادیت کا زمانہ ہے۔ بیماری اور وبا پھیلی ہو تو انجکشن لینے والے محفوظ ہو جاتے ہیں قحط ہو تو ذخیرہ بندی اور راشن بندی کرادی جاتی ہے۔ قتل و غارت گری ہو تو ڈیفنس کمیٹیاں منظم کر دی جاتی ہیں۔ جنگ ہو تو عام لام بندی اور سامان حرب سے لیس کرادیا جاتا ہے۔ غائت نظر سے دیکھیں تو یہ سب کچھ رحمت کے مادی پہلو ہیں۔ اور قلب کی سطح سے رحمت کا انداز یوں ہے کہ ہمت، عزم، استقلال، شوقِ شہادت اور دیگر اعلیٰ اقدار کا انسان پر پرتو پڑتا ہے۔ پھر روح کی سطح سے رحمت کی تجلی امر باللہ سے ہے۔ اس کے تحت امر کے اجراء کا عام حکم ہے۔ سب ہی کلمہ گو کمیشنڈ آفیسر، سب ہی آمر باللہ، بھلے ہیں برے ہیں، آخر کو اپنے ہیں۔ کہلاتے تو امّتی ہیں۔ یہ کیسے ہی سہی، مگر کسی کے نام کی غیرت تو بنے ہیں۔ اس کی لاج بھی تو رکھنی ہے۔ اسی نام کے صدقے میں تو یہ مقامِ جبروت کے وارث ہیں۔ محبوبؐ کے محبوب ہیں۔ یہ ملائک سے اوپر کا مقام ہے۔ یہاں تجلی نورِ محمدیؐ ہے۔ یہاں نسبت محمدیؐ ہے۔ یہاں رحمت کا دامن نصیب ہے۔ قیصر و کسریٰ بھی ان کے زیر اثر ہیں، ہندو، یہود، و نصاریٰ بھی۔ ان کی قسمت میں نہ بربادی ہے نہ تباہی۔ انہیں ذوالفقار علیؓ ملی ہے جو فقر کے میدان میں ظاہر و باطن میں چل رہی ہے۔

نظر آیا جلال کبریا شیر خدا ہو کر

جمال اللہ کا ظاہر ہوا مشکل کشا ہو کر

یہ فقرِ کراری، جلال و جمال دونوں سمیٹے کمال کے میدان میں خیمہ زن ہے۔ یہ مشکل کشائی رحمت کا کمال ہے، کمال سب جلال جمال پر محیط ہے۔مگر کمال کو اپنانے والے کم ہی آئے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کسی کسی سے ہی کہا جا سکا۔کبھی کبھی ہی وہ فرد اور وہ دن آیا جس پر رحمتُ اللعالمینی سایہ تھا۔ یہ اُدھر ہی کی عطا تھی۔جیسا زمانہ ویسا ہی صحیفہ اتارا گیا اور مصحفِ یار کی رُونمائی تو یوں بھی کبھی کبھی ہی ہوا کرتی ہے۔ رحمتُ للّعالمینی مقام سے رحمتوں کے سائے گنہگاروں پر ہی اترا کرتے ہیں۔ کبھی سلامّتی وحفاظت کی چادر بن کر، کبھی اُمّت کے لئے کالی کملی کی واردات بن کر اور اس وقت تک جب تک کہ مَطْلَعُ فَجْر ہو، قوم کا طلوع فجر ہو، سَلَامٌ ہِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْر ،اس قدر کی رات ملائکہ اور روح نازل کئے جاتے ہیں۔کُلّی امر و سلامّتی کے ساتھ یہاں تک کہ طلوع فجر ہو۔طلوع فجر نہ رات ہے نہ دن۔ایک برزخ کا سماں۔سحر کے بعد روح کی زندگی ہے اس میں ایک نمود کی لذت ہے، کُن کی تجلی ہے۔اس اُمّت کی رات کی صبح تو اس وقت ہے جب حسن کا وہی پہلا جلوہ پھر سے دیکھ گی۔ یہ کیفیت نہ ہجر میں ہے نہ وصال میں۔ یہ حصہ بانٹے جانے والی رات، ان چھپے ہوئے باطنی راستوں کا ذکر ہے جس میں ملائک قدرت کی طاقتیں اور روح، امر الٰہی انسان کو عطا کیا جاتا ہے۔اسے کلی قدرتوں، حکم اور سلامّتی کا پیکر بنا دیا جاتا ہے۔اسی کی زندگی پردوں سے نکل کر اظہار میں آرہی ہوتی ہے۔ وہ کلی کا سا انبساط، وہ نکھار جو گل میں ہے نہ بند شگوفہ میں، وہ حسن اُمّت کے چہرہ سے پہلی نقاب کشائی وہ روح اُمّت کی بیداری کا سماں۔اُمّت کی یہی سحراب جلوہ فگن ہونے والی ہے۔اسی طلوع سحر کے لئے اُمّت کے ہاتھ دعا میں اٹھے ہیں۔اُمّت کی اس سحر کی تصدیق ہر صبح مؤذن کرتا ہے اور اُمّت کی سحر تو اسی وقت ہوئی جب محبوب کے چہرہ کی جھلک مل جائے۔تو دعا ہے کہ اس اُمّت کو رخ محبوبؐ عطا ہو۔محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ کا انداز تجریدی رنگ میں ہم کو عطا ہو، جس کا تفرید روپ بابا فریدؒ ہیں۔محبوبؐ کی جلوہ نمائی کی وہ تڑپ ہم کو بھی عطا ہو جائے جو برقع کشائی کی صبح امید بن جائے۔

رخ بہ نُما کہ اے پری صبح اُمید من توئی
برقع کشا کہ اے صنم جلوۂ عید من توئی

ہر سخنے کہ می کنی قندِ حلاوت آیدت
گنجِ شکر بہ زیرلب پیرِ فرید من توئی

بخت رود بہ گام من دشت مراد حاصلم
تاسگِ تو مرا بگفت کہ اے مریدِ من توئی

رخ بہ نما کہ اے پری جلوہ عیدِ من توئی
برقع کشا کہ اے صنم صبح امید من توئی"

صورت مہر نیمروز عالم جان برفروز
جانِ جہاں بدید آ تابش دید من توئی

لب بگشا بہ نغمہ آ سِرّ سرود آنما
پردۂ سازِ جان را۔ کفِ نویدِ من توئی

برق فگن بہ شعلہ وہ کاہشِ ممکنات را
کُن کُن سرا۔ فکاں نما دید و شنید من توئی

معنی بہ حرف و صوت دہ مستی ذوق و شوق ریز
جانِ مشامِ جاں توئی۔ گلے سعید من توئی

راہِ جنوں نُما نُما درد سکوں گُشا گُشا
سوزِ قریب من توئی سازِ بعید من توئی

قاب بہ قاب قوس کن نورِ ظہور تاب دہ

آبِ جمال برفشاں کشتِ حمید من توئی

تاب و تب وجود را نکہت شرح صدر کن
بوئے دلیل رہ توئی شمع وحیدِ من توئی

(رحمن بابا)